رئیس احمد جعفری

حضرت علیؓ کی شخصیت پر ایک نظر

خلفائے راشدین میں حضرت علیؓ گوناگوں خصائص کے حامل ہیں۔ آپ کی تربیت آغوشِ نبوتؐ میں ہوئی۔ شعور کی آنکھ کھولی تو اپنے ابن عمؐ کو خدائے واحد کی پرستش کرتے، شرک کی مخالفت کرتے اور ہر طرح کی بے سروسامانی کے باوجود مشرکوں اور کافروں کا مقابلہ کرتے دیکھا تماشائی کی حیثیت سے نہیں بلکہ شریکِ کارزار کی حیثیت سے۔ آپ نے بے تامل اسلام قبول کرلیا اور اس راستہ میں کسی ایثار اور قربانی سے گریز نہیں کیا۔ کافروں اور مشرکوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی لڑائیاں لڑنی پڑیں، حضرت علیؓ اپنے پورے شکوہِ شجاعت کے ساتھ ان میں شریک رہے۔ بدر کی لڑائی میں علیؓ کا جوشِ شہادت اپنی مثال آپ نظر آتا ہے۔ احد کے معرکہ میں جو گنتی کے چند لوگ آخر وقت تک ثابت قدم رہے، ان میں علیؓ کا جگمگاتا ہوا چہرہ کتنا روشن دکھائی دیتا ہے۔ جنگ خندق میں، جنگ بنو قریظہ میں اور پھر جنگ حنین میں غرض کہ ہر ایک جنگ اور ہر ایک معرکہ میں علیؓ کے سرفروشانہ کارنامے تاریخ کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہیں، اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ کوہ صفا پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "وانذر عشیرتک الاقربین" کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے اہل خاندان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،

اے بنو مطلب!

میں تمھیں اس سرائے فانی، اور عالم باقی کی سب سے اچھی اور گراں مایہ نعمت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تم میں سے کون ہے جو میرا ساتھ دے؟ تم میں سے کون ہے جو میری رفاقت اور اعانت کا حق ادا کرے؟

محمدؐ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے، مگر حاضرین میں سے صرف ایک چھوٹا سا لڑکا یہ سن کر آگے بڑھا اور اس نے کہا:

"میں اگرچہ کمزور و ناتواں ہوں پھر بھی آپؐ کا ساتھ دوں گا۔ آپؐ کی مدد کروں گا۔"

یہ آواز علیؓ ابن ابی طالب اسد اللہ الغالب کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اس سوال کا اعادہ فرمایا اور ہر مرتبہ علیؓ ہی کا جواب فضا میں گونجا اور کوئی شبہ نہیں عہدِ طفلی سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک علیؓ نے زندگی کے ہر مرحلے پر اپنے بھائیؐ اور خدا کے رسولؐ کا ساتھ دیا۔ بڑے سے بڑے خطرہ کی بھی پروا نہ کی اور اپنے عہدِ رفاقت پر برابر قائم رہے۔

حضرت علیؓ کی زندگی مجموعۂ صفات تھی۔ وہ آنحضرتؐ کے دور میں ان تمام ذمہ داریوں سے خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوتے رہے جو ایک بھائی، ایک مسلمان اور ایک امتی کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ آں حضرتؐ نے انھیں اپنے سے وہ نسبت دی جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ خم غدیر کے موقعہ پر آپؐ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ

جس کا میں مولا (دوست) ہوں، اس کا علیؓ بھی مولیٰ ہے۔

آں حضرتؐ کی رفاقت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں حضرت علیؓ تمام مہمات امور میں ان کے مشیر تھے۔ یہی کیفیت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی رہی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر علیؓ کی اصابت رائے اور فراستِ مومن سے متاثر ہو کر انھوں نے فرمایا:

لولا علی لھلک عمر

یعنی

"اگر علی نہ ہوتا عمر ہلاک ہو گیا ہوتا۔"

پھر حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی وہ برابر الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے کی سعی کرتے رہے اور معاملات کو روبراہ کرنے میں کوئی دقیقہ بھی فروگزاشت نہیں فرمایا۔

چنانچہ عہد جدید کا ایک مؤرخ ابو نصر لکھتا ہے:

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کا بار آپ پر ڈالا گیا اور آپ نے یہ منصب طوعاً و کرہاً قبول فرما لیا لیکن اب حالات بگڑ چکے تھے، فتنہ کا دور دورہ شروع ہو چکا تھا۔ عالم آشوب ہنگامہ آرائیوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلہ کا آغاز ہو چکا تھا، خانہ جنگی، تفریق بین المسلمین، سازش اور جنگ زرگری نے عالم اسلام میں ایک عجیب تہلکے کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی حضرت علیؓ کا عہد خلافت بہت مختصر رہا اور یہ عرصہ بھی فتنہ و آشوب کے مقابلے اور استیصال میں صرف ہوا۔ انھیں تعمیری، اصلاحی اور توسیعی کام کرنے کی ذرا بھی مہلت نہیں ملی۔ پھر بھی اگر ایک نظر ہم حضرت علیؓ کی زندگی پر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان حوصلہ فرسا حالات میں بھی وہ اپنے فرائض سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوئے۔

حضرت علیؓ کا حسن سلوک، ان کی عظیم شخصیت اور اعلیٰ کردار کا ایک اہم پہلو ہے، اور تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات محفوظ ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مخالفوں سے بھی کس قدر رواداری برتتے تھے اور انسانیت کے تقاضوں اور عدل و انصاف کو ہر حال میں پیش نظر رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک واقعہ درج ذیل ہے:

جب حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم کرنے سے امیر معاویہؓ نے انکار کر دیا تو اتمام حجت کے بعد حضرت علیؓ امیر معاویہؓ سے مقابلہ کے لیے نکلے۔ امیر معاویہؓ کا لشکر ۹۰ ہزار افراد پر مشتمل تھا اور حضرت علیؓ کی فوج ۷۰ ہزار تھی۔ حضرت علیؓ کی فوج کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ان میں ستر صحابہ وہ تھے جو جنگ بدر میں آنحضرتؐ کے دوش بدوش کفار مکہ سے لڑ چکے تھے۔ سات سو صحابہ ایسے تھے جنھوں نے بیعت رضوان میں جاں نثاری کا عہد کیا تھا اور چار سو عام مہاجر اور انصار تھے۔

امیر معاویہؓ کا یہ لشکر پہلے پہنچ گیا اور اس نے پانی کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ

نے پہلے تو افہام و تفہیم کے ذریعہ امیر معاویہؓ کو اس طرزِ عمل سے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے اس فیصلہ پر قائم رہے کہ لشکرِ علیؓ کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔ آخر حضرت علیؓ کے حکم سے اشعث بن قیس کندی اپنے تیر اندازوں کو لے کر آگے بڑھے اور تیروں کا مینہہ برسا دیا۔ پھر نیزے چلائے اور پھر تلوار کی باری آئی۔ امیر معاویہؓ کی طرف سے ابوالاعور جنگ کر رہے تھے۔ ان کی کمک پر ایک بہت بڑا لشکر لے کر عمرو بن عاص بھی پہنچ گئے۔ اشعث کی کمک پر حضرت علیؓ نے اشتر نخعی کو روانہ کیا۔ اور جنگ زور شور سے شروع ہو گئی۔ بالآخر حضرت علیؓ نے پانی پر قبضہ کر لیا اور دشمن کی فوجیں پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئیں۔ اب موقع تھا کہ علیؓ کا لشکر معاویہؓ کے لشکریوں کو پیاسا مارتا۔ لیکن علی مرتضیٰؓ نے ایسا ادچھا انتقام پسند نہیں کیا بلکہ اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ دشمن فوج کے کسی سپاہی کو پانی لینے سے نہ روکا جائے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کے سپاہی نہایت اطمینان سے مشکیزے بھر بھر کر پانی لے جانے لگے۔ کسی طرح بھی وہ روک ٹوک سے دوچار نہیں ہوئے۔

مسلمانوں کے ساتھ خلیفہ راشد کی حیثیت سے ان کا جو برتاؤ تھا وہ تو تھا ہی لیکن غیر مسلموں کے ساتھ بھی ان کا سلوک اس درجہ عادلانہ اور روادارانہ تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ فقہ حنفی نے مفتوح غیر مسلموں اور ذمیوں کے سلسلہ میں جو اصول اور قواعد مرتب کیے ہیں ان کی بنیاد اور اساس حضرت علیؓ کا یہ قول ہے کہ "ذمیوں کا خون ہمارے خون کی طرح معزز و محترم ہے"

حضرت علیؓ کی حیاتِ گرامی کے مندرجۂ ذیل واقعات سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ مفتوح غیر مسلموں اور ذمیوں کے حقوق کا کس قدر لحاظ رکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو شہید کر دیا گیا تھا۔ یہ بہت بڑا حادثہ تھا۔ مدینہ کا ہر شخص سراسیمہ، پریشان اور مضطرب ہو گیا۔ خلیفۂ رسول کا قتل اور وہ بھی عمرؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ عبیداللہ بن عمرؓ نے ابولولو کے دو ساتھیوں کو جو غیر مسلم اور ذمی تھے قتل کر دیا کیونکہ

ان کا خیال تھا کہ حضرت عمرؓ کے قتل میں یہ دونوں بھی شامل تھے۔

لیکن اگر یہ شریک ہوتے تو بھی کیا شریعتِ اسلامیہ اس کی اجازت دیتی ہے کہ قانون اپنے ہاتھ میں لیا جائے اور عدالت سے رجوع کیے بغیر شک کی بنا پر ملزم کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے؟ حضرت علیؓ کا صاف اور بے لاگ فیصلہ یہ تھا کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ جس شخص نے کسی ذمی کو قتل کیا ہے خواہ وہ کتنا بڑا آدمی ہی کیوں نہ ہو اسے بھی موت کی سزا ملنی چاہیے۔

حضرت عثمانؓ جیسے ہی مسند خلافت پر بیٹھے سب سے پہلا مقدمہ ان کی خدمت میں جو پیش ہوا یہی تھا۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرام سے مشورت کی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا عبیداللہ بن عمرؓ کو قتل کی سزا ملنی چاہیے۔ حضرت علیؓ کی یہ رائے سن کر حاضرین پر ایک سکتہ چھا گیا۔ کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ کل حضرت عمرؓ قتل کیے گئے اور آج ان کے بیٹے کی گردن اڑا دی جائے۔ لیکن حضرت علیؓ کے فتویٰ کی شرعی حیثیت پر نکتہ چینی کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ آخر عمرو بن العاص کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ نے ایک درمیانی راستہ نکالا اور مقتولین کی دیت اپنے پاس سے ادا کر دی اور اس طرح یہ معاملہ ختم ہوا۔

عہد مرتضوی کا ایک اور اہم واقعہ پیش نظر رکھا جائے تو اس سے شرع اسلامی میں ذمیوں کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔

آیاتِ قرآنی، احادیث نبوی، اور فقہ اسلامی سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے گا تو وہ بھی سزائے قتل پائے گا، ابوبکر جصّاص نے عہد خلافت راشدہ کے امثال و نظائر پیش کیے ہیں۔ چنانچہ ابوالجنوب الاسلامی کی روایت بیان کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے پاس اہل حیرہ کا ایک شخص آیا۔ اس نے کہا۔ یا امیرالمومنین ایک مسلمان نے میرے لڑکے کو قتل کر دیا۔ اور اس کا میرے پاس ثبوت بھی ہے۔ چنانچہ اس نے

گواہوں کو پیش کیا۔ اور انھوں نے گواہی دے دی۔ حضرت علیؓ نے ان گواہوں سے پوچھ گچھ کے بعد قاتل مسلمان کو طلب فرمایا۔ اور ایک تلوار حبیری کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ قاتل کو قتل گاہ میں لے جاؤ تاکہ یہ حبیری اسے قتل کر دے۔ اس حبیری سے لوگوں نے کہا کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم دیت قبول کر لو تاکہ ہم تمہارے ممنون ہوں اور تم دیت کی رقم سے اطمینان کی زندگی بسر کرو۔ حبیری نے یہ بات مان لی۔ تلوار میان میں رکھی اور حضرت علیؓ کے پاس واپس آیا۔ آپ نے کہا شاید لوگوں نے تجھے بُرا بھلا کہا اور ڈرایا دھمکایا ہے؟ اس نے کہا۔ نہیں خدا کی قسم نہیں میں خوشی سے دیت لینے پر رضامند ہو گیا ہوں۔ حضرت علیؓ نے کہا اگر یہ بات ہے تو تم جانو، پھر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

"ہم نے ان ذمیوں کو وہ حقوق دیے ہیں کہ ہمارا خون ان کے خون کی طرح، اور ہماری دیت ان کی دیت کے مانند ہو جائے۔"

حضرت علیؓ اسے ہرگز گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ذمیوں کے ساتھ ناروا برتاؤ کیا جائے یا انھیں ہدف ظلم و ستم بنایا جائے۔ اور جب کبھی آپ کو کوئی ایسی اطلاع ملی تو آپ نے نہایت سختی کے ساتھ اس کے تدارک کی طرف توجہ فرمائی۔ ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ ایک عامل کا برتاؤ ذمیوں کے ساتھ اہانت آمیز ہے تو آپ نے بہت سختی سے انھیں ڈانٹا اسی طرح ایک مرتبہ ذمیوں نے یہ شکایت کی کہ ان کی نہر جس سے وہ اپنے کھیتوں کو پانی دیتے تھے مٹی سے پٹ گئی ہے۔ آپ نے اس شکایت کی طرف فوراً توجہ کی اور وہاں کے عامل قرظہ بن کعب انصاری کو لکھا:

"تمہارے علاقہ کے ذمیوں نے شکایت کی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ گئی ہے۔ اس کا بنانا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ تم اسے فوراً درست کرا دو مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ ذمی اپنی زمین پر آباد رہیں بجائے اس کے کہ وہ ترکِ وطن پر مجبور ہو جائیں، اور ملک کی فلاح و بہبود میں حصہ لینے کے قابل نہ رہیں۔

یہی وہ مصالح تھے جنھیں پیش نظر رکھ کر بعد میں فقہاء نے اپنے اصول اور ضابطے مقرر کیے۔ فقہاء عام کافروں کے مقابلہ میں اہل کتاب کو یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کو زیادہ مراعات دیتے ہیں خواہ ذمی ہوں یا نہ ہوں یعنی مسلمانوں کے مفتوح ہوں یا اپنے علاقہ میں حاکمانہ زندگی بسر کرتے ہوں۔ انھیں جو حقوق حاصل ہیں وہ ہر حالت میں قائم رہیں گے۔ ان کے مسلمان ہوجانے کی صورت میں یا دو میں سے ایک کے مسلمان ہوجانے کی صورت میں فقہ اسلامی کی رو سے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی۔

مسلمان عورت کے لیے کافر مرد سے نکاح کرنا حلال نہیں۔ لیکن مسلمان مرد کا کافرہ عورت سے نکاح جائز ہے، سوا اس صورت کے کہ وہ عورت آزاد ہو۔ (لونڈی نہ ہو) اور کتابیہ ہو۔ کسی کتابیہ عورت کا شوہر اگر اسلام قبول کرلے، یا دونوں کافر میاں بیوی مسلمان ہوجائیں تو ان کا نکاح قائم رہے گا۔

خلفائے راشدین نے غیر مسلموں اور ذمیوں کے ساتھ جو برتاؤ روا رکھا تھا وہ اتنا واضح تھا کہ ان کے بعد اگر کسی بڑی سے بڑی ہستی نے بھی اس کی خلاف ورزی کی تو مسلمان علماء اور صلحاء نے ایک لمحہ کے لیے بھی اسے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اور جب کبھی اس غلطی کی اصلاح کا وقت آیا تو فوراً اس کا تدارک کیا اور تلافی مافات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

عہد خلافت راشدہ کے بعد بھی مسند خلافت پر جب کوئی مرد صالح متمکن ہوا تو اس نے حق و انصاف کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کبھی کسی طرح کا امتیاز روا نہیں رکھا، بلکہ وہی کیا جو حق کا تقاضا اور اسلام کا حکم تھا۔